75

قومی کریکٹر کی اہمیت اور ضرورت

(فرمودہ ۱۹ ستمبر ۱۹۲۴ء بمقام لنڈن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:

دنیا میں جس قدر اثر ان اعمال کا ہوتا ہے جو کسی قوم کا خاصہ ہوتے ہیں (گو وہ کیسے ہی ادنیٰ اور چھوٹے کیوں نہ ہوں) اتنا اثر ان عظیم الشان واقعات اور حالات کا نہیں ہوتا۔ جو اس قوم کے افراد سے متعلق ہوں۔ قوموں کی ترقی اور تباہی کے اسباب قطعاً" بڑے واقعات میں نہیں ملیں گے بلکہ جب ہم تحقیق کریں گے۔ تو ان کی ترقی اور تنزل کے اسباب بالکل چھوٹے واقعات میں ملیں گے جو قومی حیثیت اور اثر رکھتے ہوں گے۔ انگلستان ہی کو دیکھو اس کی دینوی ترقی اور مذہبی تنزل کے موجبات کو اگر دیکھا جائے۔ تو یہ دونوں باتیں قطعاً" عظیم الشان واقعات سے وابستہ نہ ہوں گی۔

انگلستان کی ترقی اور عروج دنیاوی ٹریفالگر یا واٹرلو کی فتح سے متعلق نہیں۔ بلکہ انگریزی قوم کے اخلاق اور تمدن سے تعلق رکھتے ہیں اور عظیم الشان فتوحات بھی انہیں اسباب کا نتیجہ ہیں۔ گویا انگلستان واٹرلو یا ٹریفالگر کی وجہ سے نہیں بنا۔ بلکہ خود ان کی شان انگلستان کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح یورپ کے لوگوں نے اگر مذہب کو چھوڑ دیا ہے تو اس کی جڑ یہ نہیں ہوگی کہ انہوں نے بعض بڑے بڑے احکام اور قوانین مذہب کو ترک کر دیا ہے۔ بلکہ اس کی جڑ بھی محض قومی اخلاق نظر آئیں گے۔ عیسائیت کے سب سے بڑے مسائل تثلیث اور کفارہ ہیں۔ اور یہ ایسے احمقانہ مسائل ہیں کہ کوئی شخص جو کسی قسم کے تعصبات کے نیچے دبا ہوا نہیں۔ اگر علیحدہ ذرا بھی فکر کرے گا۔ تو اس کے عقلی قویٰ ان مسائل کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے اور وہ ان کو سرا سر لغو اور غلط یقین کرے گا۔ مگر باوجود اس کے عیسائیت کا تنزل ان مسائل کے لغو یا غلط ہونے سے نہیں۔ حالانکہ یہ قابل نفرت و انکار ہیں۔ بلکہ عیسائیت کے تنزل کی وجہ باریک اور چھوٹے مسائل اور بعض

قومی حالات و اثرات ہیں۔

انگلستان کی حریت کی روح مذہب نہیں ہے۔ کوئی قوم مذہب کو قبول کرتے ہوئے آزاد نہیں ہوتی۔ یہ روح اولاً یورپ کے مقابلہ میں آئی اور بعض مذہبی اختلاف پیدا ہو کر اس کی اطاعت سے جدا ہوئے۔ اور اس علیحدگی کی روح نے آہستہ آہستہ نشوو نما پایا۔ اور پھر آزادی کی روح پیدا ہونے لگی۔ اور حالات نے دوسری صورت اختیار کی۔ مثلاً ایک شخص نے کوئی ایجاد کی کسی ایجاد کو مذہب سے کیا تعلق مگر پادریوں نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ اگر اسے قبول کرو گے۔ تو مذہب سے نکل جاؤ گے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس مخالفت اور کشمکش میں مذہب سے دور ہوتے چلے گئے کسی جگہ اباحت نے مذہب سے دور کر دیا۔ مباحثات اور عقلی باتوں نے ان کو مذہب سے دور نہیں کیا ہے۔ تمام یورپ کے حالات کا اگر غور سے مطالعہ کریں۔ تو یہی حالت نظر آئے گی روس کو دیکھو کہ وہاں کیا حالت ہے کیا یہ حالت فلسفہ نے پیدا کر دی ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ فلسفہ خود اسی حالت سے پیدا ہوا ہے ۔ اصل بات یہی ہے کہ قومی حالات قومی ترقی یا تنزل پر اثر ڈالتے ہیں اور یہ حالت افراد کے بعض معمولی افعال سے شروع ہوتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ وہ قومی عادت ہو جاتی ہے اور پھر اس کا اثر قوم کی ترقی یا تنزل پر ہوتا ہے۔ عام لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے بلکہ ان باتوں کو حقیر سمجھتے ہیں لیکن علم النفس (سائیکالوجی) نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ چھوٹی سی بات کس طرح پر بڑی بن جاتی ہے اور اس کے اثرات قوم کے عروج و زوال پر کس طرح پڑتے ہیں یہ بات صاف سمجھ میں آ جاتی ہے۔

میں نے ایک زمانہ میں دیکھا ہے کہ اسلام کے بعض احکام کو کس طرح نظر انداز کیا جاتا ہے؟ اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ فلاں بات کا اسلام سے کیا تعلق؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص آپ کے سلسلہ میں داخل ہوا۔ کسی نے کہا کہ ڈاڑھی منڈی ہوئی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ جب اس نے میری بیعت کی ہے۔ تو جب مجھ کو دیکھتا ہے کہ میں نے ڈاڑھی رکھی ہوئی ہے۔ تو وہ بھی رکھ لے گا مگر اس کے ساتھ ہی دوسرے موقعہ پر حضرت صاحب نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ اخلاق پر کتاب لکھوں پھر جو شخص اس کے مطابق عمل نہ کرے۔ اس کو خارج کر دوں۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ قوم افراد کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اگر افراد کے اخلاق اور عادات درست نہ ہوں تو قومی کریکٹر نہیں بنے گا۔ اور جب تک قومی کریکٹر درست نہ ہو قوم ترقی نہیں کر سکتی۔

میں یقیناً جانتا ہوں۔ اور قوموں کی ترقی اور تنزل کے اسباب و وجوہات پر غور کر کے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر ہم اپنا قومی کریکٹر نہ بناویں گے۔ تو ہماری ترقی نہ ہو گی۔ اور ہماری مثال ایسی ہو گی جیسے آگ کے ذریعہ سے ایک جوش اور ابال پیدا ہوتا ہے اور جب آگ بجھ جاتی ہے۔ تو وہ جوش بھی ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس پانی کی حرارت بھی دور ہو کر وہ سرد کا سرد رہ جاتا ہے۔ قومی زندگی کے لئے ایسی آگ کی ضرورت ہے۔ جو باہر سے نہیں بلکہ اندر سے پیدا ہو اور وہ بائلر کی طرح کام کرتی رہے۔ تب قوموں کی زندگی قائم رہتی ہے۔ پس جب تک ہمارے اندر ایسی حرارت اور آگ پیدا نہ ہو۔ ہم زندہ قوم بننے کی توقع نہیں کر سکتے۔

ایک اور بات قابل غور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نقطہ نگاہ کے بدلنے سے ایک چیز کی صورت بدل جاتی ہے۔ شکل بنانے والی چیز وہ نقطہ نگاہ ہے۔ مثلاً ماں باپ کا احسان ہے۔ ایک نقطہ نگاہ کی وجہ سے احسان کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ ہمارے وجود کا باعث ہوئے اور انہوں نے خبر گیری کی اور ہمارے لئے تکلیفیں اٹھائیں یہ ان کا احسان ہے۔ اور ان کی عزت و احترام کرنا چاہیئے لیکن ایک شخص اس نقطہ نگاہ کو بدل لیتا ہے اور اس کام کو اور واقعات کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ ان کی غرض کیا تھی؟ ایسے لوگ دنیا میں موجود ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ماں باپ کا کیا احسان ہے؟ انہوں نے جو کچھ کیا اپنی شہوانی اغراض کے لئے کیا۔ اب غور کرو کہ ایک نقطہ نگاہ کے بدلنے سے کیا صورت تبدیل ہو گئی۔ غرض نقطہ نگاہ بدلنے سے شکل بدل جاتی ہے۔ یہی حال مذہب کی تعلیمات اور احکام کا ہے۔ ایک نقطہ نگاہ سے ایک فعل مذہب کا جزو اور ضروری جزو معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر اسے بدل دیا جاوے تو غیر ضروری ہو جاتا ہے۔ پس نقطہ نگاہ کو کبھی ہاتھ سے نہ دو۔ مجھے اس نقطہ نگاہ پر ایک کہانی یاد آ گئی ایک شخص تھا جو بڑا بہادر بنا ہوا تھا۔ وہ ایک گودنے والے کے پاس گیا۔ اور اسے کہا کہ میری پیٹھ پر شیر کی تصویر گود دو اس نے جب شیر کی دم بنانی چاہی تو اسے تکلیف ہونے لگی۔ اس سے پوچھا کہ کیا بناتا ہے۔ اس نے کہا دم۔ اس پر اس نے سوال کیا کہ کیا بغیر دم کے شیر نہیں ہوتا۔ اس نے کہا کہ کیوں نہیں۔ تو کہا اچھا دم رہنے دو۔ اسی طرح ہر عضو پر وہ کہہ دیتا اور اسے چھوڑوا دیتا رہا۔ آخر کچھ بھی نہ بنا۔ یہ سب کچھ ایک نقطہ نگاہ کی نذر ہو گیا۔ وہ نقطہ کیا تھا؟ کہ وردنہ ہو جس کو وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شیر نہ بن سکا۔ بعینہٖ یہی حالت مذہب کی ہے۔ انسان سمجھ لیتا ہے کہ اس چیز کے بغیر کیا مذہب باقی نہیں رہتا؟ یہ بہت معمولی اور چھوٹی سی بات ہے۔ جیسے بعض بے باک کہہ دیتے ہیں کہ کیا ڈیڑھ چلو پانی میں ایمان بہہ گیا۔

وہ سمجھتا ہے کہ ایک چلّو ہے اور ایک چلّو میں ایمان نہیں بہہ جائے گا۔ مگر وہ اتنا نہیں سوچتا کہ یہ ایک چلو نہیں رہے گا۔ بلکہ بہت بڑھ جائے گا کیونکہ انسان ایک مقام پر نہیں ٹھہر جائے گا۔ یہ خیال بالکل غلط اور ہلاک کرنے والا خیال ہے۔ کہ مذہب کے کسی چھوٹے سے چھوٹے حکم کو بھی غیر ضروری سمجھ لیا جائے۔ انسان کی صحت کا سوال لو اگر اس کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ اس چھوٹی سی بد پرہیزی اور حفظ صحت کے قانون سے بے پرواہی کا کوئی یہ نتیجہ تو نہیں ہوگا کہ ہلاک ہو جاؤں گا۔ اس لئے اس کی پرواہ نہ کرو اس طرح پر وہ تھوڑی ہی علالت نہ رہے گی۔ بلکہ رفتہ رفتہ اپنی صحت سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اس کا باعث وہی ابتدائی بے پرواہی ہو گی۔ یہی حال روحانیت اور مذہب کا ہے۔ ابتداً انسان چھوٹی چھوٹی باتوں کو غیر ضروری سمجھتا ہے۔ اور یقین کر لیتا ہے کہ یہ معمولی بات ہے۔ اس کا مذہب کے اصولوں سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر وہ اس پر نہیں رہتا۔ اور آخر مذہب سے دست بردار ہو جاتا ہے۔ اور خود اس کی اس حالت کا اثر قومی ترقی پر پڑتا ہے۔

میں نے یہاں انگلستان میں دیکھا ہے کہ قد بڑے ہوتے ہیں۔ خصوصاً عورتوں کے قد بڑے قابل رشک ہیں۔ ہزاروں ہزار عورتیں بیعت کرنے کے لئے آئی ہیں۔ مگر ان میں ایسی قد آور نہیں تھیں۔ یہاں جو اتنے بڑے قد ہو گئے ہیں۔ یہ کسی دوائی کا نتیجہ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ حفظان صحت کے اصول کی پابندی کا یا ان کے کاموں کا نتیجہ ہے۔ آدمی کے قد کا تو کیا ذکر ہے۔ یہاں سبزیوں کے قد بڑھا لئے گئے ہیں۔ شلجم اور کدو اتنے بڑے بڑے ہوتے ہیں کہ بعض تو ایک ایک فٹ قطر کے ہوتے ہیں۔ میں نے انگلستان اور امریکہ کی زراعت پر کتابیں پڑھی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی طرح یہ ڈویلپمنٹ کر کے چھوٹی چیزوں کو بڑی بنا لیتے ہیں۔ یہ مشاہدات اور تجربے ہم کو کیا بتاتے ہیں؟ یہی کہ چھوٹی چیزیں بڑی بن جاتی ہیں یہی قانون قومی اخلاق کے متعلق ہے۔ اور چھوٹی چیزوں سے بڑے نتائج یقیناً نکلتے ہیں۔

پس اگر قوم زندہ رہنا چاہتی ہے تو اس کا پہلا کام یہ ہے کہ اس کا قومی کریکٹر اعلیٰ اور مضبوط ہو۔ نفسی اخلاق پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اور وہ نظر نہیں آتے۔ مگر قومی کریکٹر کا عام مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس قومی کریکٹر میں بعض عادات ہوتی ہیں۔ بعض لباس کی صورتیں ہوتی ہیں۔ پھر یہ عادتیں اور لباس بطور گر کے ہو جاتا ہے۔ مثلاً اس ملک کا یہ قومی کریکٹر ہے کہ کوئی کام ہو اس میں ترتیب کو ہاتھ سے نہ دیں گے۔ ہر موقعہ پر اس کو مد نظر رکھیں گے۔ سٹیشن پر جائیں یا کسی دوسری جگہ وہ دھکا دے کر آگے نہ بڑھیں گے۔ بلکہ جیسے جیسے آتے ہیں اپنی جگہ پر کھڑے رہیں گے۔ کیسی ہی ضرورت

ہو عجلت ہو مگر اپنی ترتیب کو ہاتھ سے نہ دیں گے۔ اس ترتیب کا نتیجہ کیا ہے؟ تمام کام عمدگی سے ہو جاتے ہیں۔ اور کسی کو کوئی تکلیف اور گھبراہٹ نہیں ہوتی۔ یہی حال حکومت کا ہے۔ لبرل اور کنسرویٹو اپنے پولٹیکل ویوز کے لحاظ سے ایک دوسرے کے سخت مخالف ہیں۔ لیکن جب ایک پارٹی برسرکار ہو جاتی ہے۔ تو دوسری اس کی اخلاقی مدد کرتی ہے اپنے مخالف فریق کی وجہ سے حکومت کو توڑنے یا ملکی قانون کے احترام کو کم کرنے کی کوشش نہیں کرتی بلکہ مل کر کام کرتے ہیں۔ ہمارے ملک کا یہ حال نہیں ہے۔

میں خود اپنے انتظام میں دیکھتا ہوں کہ جب نیا افسر کسی صیغہ کا آتا ہے اور میں رپورٹ طلب کرتا ہوں تو وہ نئی سکیم بنانے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اور اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ پہلے نے جو کام کیا تھا وہ درست نہیں تھا۔ یہ طریق کامیابی کا نہیں ہے۔ بلکہ جہالت ہے۔ اس سے قومی کریکٹر قائم نہیں ہوتا۔ کسی کام کے جاری رکھنے میں فائدہ ہوتا ہے۔ اگر اس میں خرابی بھی ہو تو اس حصہ کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ لیکن روز نئی سکیم بنانے سے کام نہیں چلتا۔ سکیم محض کامیاب نہیں بنایا کرتی۔ اس انگریزی قوم کا قومی کریکٹر اس پہلو میں یہ ہے کہ وہ مخالف ہونے کے باوجود بھی اس کام کو جاری رکھیں گے۔ مگر جب تک پورا تجربہ نہ ہولے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس قسم کی عادتیں قومی کریکٹر ہو جاتی ہیں۔ اور یہی چیزیں بطور جڑ کے ہوتی ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ ایک نسل قومی کریکٹر نہیں بنا سکتی۔ مگر وہ بنیاد رکھ سکتی ہے۔ پھر دوسری نسل اس پر ترقی کرے گی اور اسی طرح آخر ایک وقت آجائے گا کہ وہ دوسری قوموں کو اپنے اندر اس قومی کریکٹر کی طاقت سے جذب کرنے لگے گی۔ اور اگر اس کی پرواہ نہ کی جائے۔ تو رفتہ رفتہ خود دوسروں میں جذب ہو کر اپنی حقیقت اور اصلیت کو کھو دے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی بعض لوگ مرتد ہوئے۔ مگر رفتہ رفتہ یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ کیونکہ قومی کریکٹر پیدا ہو گیا تھا۔ جس قدر جھوٹے مدعیان نبوت شروع اسلام میں ہوئے۔ اس کے بعد نہیں ہوئے پانچ سو سال تک ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے۔ جنہوں نے یہ بھی کہا کہ قرآن کریم منسوخ ہو گیا۔ جیسے حسن بن صباح وغیرہ ان کے جھوٹے دعووں کو بعض نے قبول کر لیا۔ اس لئے کہ ابھی قومی کریکٹر کی کمی تھی۔ لیکن جب قومی کریکٹر قائم ہو گیا۔ تو پھر ایسے مدعی بھی مٹ گئے۔ اس کی یہ وجہ نہیں کہ اخلاص ترقی کر گیا۔ بلکہ اس کی وجہ محض قومی کریکٹر ہے۔

آج یورپ میں اگر دیکھا جاوے۔ تو ۸۰ فیصدی لوگ عیسائیت سے بیزار ہیں۔ اور اسے ناپسند

کرتے ہیں مگر وہ اسے چھوڑ نہیں سکتے۔ اس لئے کہ ان کا قومی کریکٹران کو الگ نہیں ہونے دیتا۔ وہ کریکٹران کو دوسری جگہ نہیں ملتا۔ اور اس لئے باوجود عیسائیت کے عقائد کو غلط تسلیم کرنے کے بھی وہ اس سے الگ نہیں ہوتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قومی کریکٹر کس قدر زبردست چیز ہے۔ بس یاد رکھو کہ یہ ظاہر کی باتیں ایک دیوار ہوتی ہیں۔ جن کو کوئی توڑ نہیں سکتا۔ لیکن عقائد اندر کی باتیں ہیں۔ اس لئے قومی کریکٹر کو مضبوطی سے پکڑلو اور اسے قائم رکھو۔ اگر ہم زری لفاظی سے کام لیں۔ اور قومی کریکٹر کی حفاظت نہ کریں۔ تو ہماری مثال اس شیر گدوانے والے بہادر کی ہو گی۔

میں دیکھتا ہوں کہ یہ ہمارے ملک کے لوگ اس ملک میں آکر لباس تبدیل کر لیتے ہیں ان کو اگر کہا جائے کہ تم ایمان سے کہو کہ کیا یہ زیادہ آرام دہ اور اچھا ہے؟ تو کہیں گے کہ ہرگز نہیں پھر کیوں پہنتے ہو۔ تو یہی جواب ہوتا ہے کہ لوگ ہمارے لباس پر ہنستے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ہنسی تمہاری بزدلی کا نتیجہ ہے کہ تم اپنی چیز کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ اگر تم مضبوطی سے اپنے لباس کو نہ چھوڑتے اور اس ہنسی کی پرواہ نہ کرتے تو تھوڑے دنوں کے بعد ہنسنے والے تمہاری اخلاقی قوت اور قومی محبت کے قائل ہو جاتے مگر تم نے خود اپنے عمل سے بتا دیا کہ تمہارے اندر قومی دل نہیں بلکہ ایک ڈرپوک دل ہے۔ یاد رکھو جس قوم کے اندر ایسے افراد نہیں کہ اپنی چیز کی حفاظت کریں۔ وہ اپنے ملک، مذہب اور عزت کو کیا بچائیں گے؟ وہ غلام ہیں اور غلامی ان میں داخل ہو چکی ہے۔

روح آزاد چیز ہے اس پر کوئی قبضہ نہیں کر سکتا جسم پر قبضہ ہو سکتا ہے۔ لیکن جس کی روح پر قبضہ ہو۔ وہ غلامی کی بدترین مثال ہے۔ اور ایسا شخص اپنے جسم کو کیا بچائے گا۔ جب تک ہم یہ یقین نہ کر لیں کہ ہم اپنی ذات میں اچھے ہیں۔ اور ہمارے اندر خود اعتمادی کی قوت پیدا نہ ہو۔ ہم یہ آزاد روح اپنے اندر نہیں رکھ سکتے۔

مجھ سے بعض انگریزوں نے پوچھا ہے کہ کیا ہندوستانی حکومت کے قابل ہیں۔ تو میں نے ان کو جواب دیا کہ اگر آپ کا یہ مطلب ہے کہ کیا ہندوستانی انگریزوں پر حکومت کے قابل ہیں۔ تو میرا جواب یہ ہے کہ نہیں اور اگر یہ مطلب ہے کہ وہ ہندوستانیوں پر حکومت کر سکتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ وہ ہندوستانیوں پر حکومت کی قابلیت رکھتے ہیں۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں پر بے شک حکومت نہیں کر سکتے۔ یہ جواب میں انگریزوں کو دیتا ہوں دوسروں کے سوال پر اس کا اور جواب ہے۔ میرا مطلب اس جواب سے یہ ہے کہ جیسے حاکم ہوں ویسی رعایا ہو گی۔ قابلیت کا سوال ہو تو ہم میں حکومت کی قابلیت ہے۔ اس لئے کہ ہم نے ان لوگوں پر حکومت کرنی ہے۔ جو ہم میں

سے ہی ہیں۔

سلف گورنمنٹ کے متعلق میں تو کہتا ہوں کہ غیروں کو آنا ہی نہیں چاہیئے تھا۔ ہر ملک کو اپنے لوگوں پر آپ حکومت کرنی چاہیئے اور وہ کر سکتا ہے لیکن جس بات سے ہم کو اختلاف ہے۔ وہ یہ ہے کہ اب ہم میں (ہندوستانیوں) قومی تعصبات ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ ہم امن کو نہیں قائم کر سکتے انگریز نہ آئے ہوتے تو میں کہتا ہوں کہ آپس میں لڑتے رہتے مگر اپنی حکومت رکھتے لیکن اب حالت بدل گئی ہے۔ ہم حکومت کرنے کے عادی نہیں رہے۔ اور امن کی زیادہ ضرورت ہے۔ حکومت ایک ایسی شے ہے کہ اس کے ساتھ احساس بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اور پھر باہمی تعصبات بھی کم ہو جاتے ہیں۔ دیکھو سرحد پر دوسروں کو تو قتل کر دیتے ہیں۔ مگر اپنے بھائیوں کو نہیں کریں گے۔ مثلاً اگر کوئی لکھنؤ کا آدمی مل جاوے تو اس کو قتل کرنے میں دلیر ہوں گے۔ جانتے ہیں کہ اس کے بھائی بندوں اور رشتہ داروں میں سے کوئی انتقام لینے نہیں آ گئے۔ مگر اپنے ملکی آدمیوں کے متعلق یہ وہم ان کو نہیں ہو سکتا۔ غرض حکومت کے ساتھ ایک ایسا اٹماسفیر (ATMOSPHERE) پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ حالات بدل جاتے ہیں۔ غرض جب تک قومی کریکٹر قائم نہ ہو کامیابی نہیں ہوتی۔

میں نہایت افسوس سے کہتا ہوں کہ ہمارے طالب علم یہاں آکر ایسا نمونہ دکھاتے ہیں کہ ہم یقیناً امید نہیں کرتے کہ وہ کوئی نتیجہ پیدا کریں جو اپنے چہرہ اور سر پر اس بات کا بورڈ لگائے ہوتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود سچے نہیں اور جس کا ہر لقمہ اس کی شہادت نہیں دیتا۔ وہ کس دیانت داری سے کہہ سکتا ہے کہ مسلمان ہو جاؤ۔ یہ محض جوش اور شہوات نہیں۔ جو نظر نہیں آتے بلکہ ایک ایسی کھلی چیز ہے۔ جو سب کو نظر آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ دجال کے ماتھے پر کافر لکھا ہوا ہو گا۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ اس کے سائین بورڈ سے فوراً اس کی شناخت ہو جائے گی۔ کیا عیسائیوں کے متعلق کوئی دھوکا کھا سکتا ہے۔ ان کا قومی لباس ان کو الگ کر دیتا ہے۔

ہندوستان میں یہ لوگ جاتے ہیں۔ وہاں کی گرمی میں تڑپتے ہیں۔ مگر کسی نے دیکھا ہے کہ انہوں نے اپنے قومی لباس کو بدل دیا ہو۔ اندر سوتے ہیں تکلیف ہوتی ہے۔ مگر اس لباس کو نہیں چھوڑتے کیوں؟ اس لباس کو قومی کریکٹر سمجھتے ہیں۔ بہت سے لوگوں سے میں نے بات چیت کی ہے۔ وہ کہہ دیتے ہیں۔ جیسا دیس ویسا بھیس یعنی جس ملک میں جائیں۔ وہاں کا لباس اختیار کر لینا چاہیئے۔ مگر یہ اصول ان کے لئے ہی ہے۔ یا دوسروں کے لئے بھی۔ کیا انگریز دوسرے ممالک میں جا کر اپنا

لباس چھوڑ دیتے ہیں؟ جیٹھ ہاڑ کی گرمیوں میں میں نے ان کو ایسے ہی کپڑے پہنے ہوئے دیکھا ہے گرمی ستاتی ہے مگراس کو نہیں چھوڑتے بلکہ اسی کا نتیجہ ہوتا ہے جو بعض اوقات بدحواس ہو کر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اور سٹیشنوں پر دیوانہ وار لڑنے لگتے ہیں۔

تھوڑے دن ہوئے مجھ سے ایک شخص نے پوچھا کہ ڈاڑھی اور اسلام کا کیا تعلق ہے میں نے جب کہا کہ کچھ نہیں تو بہت خوش ہوا۔ مگر میں نے اس کو کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بڑا تعلق ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے اسوہ حسنہ ہے۔[1] اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر ڈاڑھی تھی۔

یہاں کی عورتیں جب مردوں سے کہہ دیتی ہیں کہ لباس کا یہ فیشن ہے تو اس کا جواب ہوتا ہے کہ اتنے پونڈ لے کر بنا لو مگر۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حکم دیتے ہیں تو پھر ہم کیوں نہ مانیں۔

اگر ڈاڑھی رکھنے میں تکلیف بھی ہو تو کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تم اتنی بھی تکلیف برداشت نہیں کرسکتے یہ سب باتیں ہیں۔ اور دراصل بات وہی ہے کہ تمہارے اندر ایک بزدلی ہے۔ ایک غلامی کی روح ہے۔ جو تم کو ان کے قومی کریکٹر کے آگے جھکا دیتی ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی رکھنے کے راز کو بتا دیا تھا۔ اور وہ قومی کریکٹر ہی تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ایرانی ڈاڑھی منڈواتے ہیں۔ تم ڈاڑھیاں رکھو۔[2] کہ تم میں اور ان میں ایک امتیاز نظر آ جاوے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی اس امر کا بڑا خیال تھا کہ میری جماعت ممتاز نظر آئے۔ ایک دفعہ قریباً چھ ماہ تک اس سوال پر بحث رہی کہ ایک خاص قسم کا لباس ہو یا پگڑیاں ہوں یہ کس لئے صرف اس ایک امر کے لئے کہ ہمارا بھی کوئی قومی کریکٹر ہو اب ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ کیا دین ہے؟ دین تو نہیں مگر کیا کوئی مغز بدوں چھلکے کے رہ سکتا ہے۔ کوئی مذہب قوم کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور کوئی قوم قومی کریکٹر کے بغیر نہیں رہ سکتی یہی ایک چیز ہے۔ جس کے ذریعہ وہ دوسروں سے ممتاز ہوتی ہے اور یہی چیز ہے جو اسے محفوظ رکھتی ہے۔ یہ ایک ایسا بورڈ ہے جو اس کی قومی حیثیت اور امتیاز کی حفاظت کرتا ہے۔ پس جب تک ہم اپنے قومی کریکٹر کا لحاظ نہیں رکھیں گے۔ زندہ رہنے کے قابل نہیں۔ یاد رکھو یہ غلامی کی روح ہے۔ جو دوسروں سے ڈر کر قومی کریکٹر کو چھڑوا دیتی ہے۔

تو اب سوال ہو سکتا ہے کہ کیا کوئی بات بھی ان کی نہیں لینی چاہیئے۔ مگر بعض باتیں انسان

قبول کرلیتا ہے۔ گو ان کا قومی کریکٹر سے تعلق نہیں ہوتا۔ وہ علم و فن کی باتیں ہیں۔ اور ان کو لے لینا نہ صرف درست بلکہ ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ **کلمة الحکمة ضالة المومن** ۔۳ حکمت مومن ہی کی گم شدہ چیز ہوتی ہے وہ ہم اپنی ہی چیز لیتے ہیں۔ پس میں یہ نہیں کہتا کہ دوسری قوموں سے کچھ بھی نہ لو۔ نہیں بلکہ جو چیز تم ان میں علم و حکمت کی دیکھو اسے اپنی ہی چیز سمجھ کرلے لو۔ اور دیکھ لو کہ اس کا کوئی تعلق شعار مذہبی اور قومی کریکٹر سے تو نہیں ہے۔ ایک ڈاکٹر کہتا ہے کہ تم بارہ بجے تک لیٹے رہو۔ اور آرام کرلو۔ تو تم کبھی نہیں کہتے کہ ساڑھے گیارہ تک کیوں نہ لیٹیں۔ یا وہ ایک دوائی کے سات قطرے کہتا ہے تو کبھی نہیں کہتے کہ پانچ کیوں نہیں۔ یہ تفاصیل ہیں۔ جن کو تجربہ بتاتا ہے کہ اس قدر تعداد ضروری ہے۔ اسی طرح قومی کریکٹر کے ساتھ دلیل کا تعلق نہیں ہوتا (گو وہ بے دلیل نہیں ہوتا) بلکہ اس کو قومی شعار سمجھ کر اور ایک تجربہ کار معلم اور ہادی کے عمل اور حکم کے ماتحت دیکھ کر اختیار کرنا ہوتا ہے۔

غرض یہ بات نہایت افسوس ناک ہے کہ وہ لوگ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے دنیا کو فتح کرنا ہے۔ جب یہاں آتے ہیں۔ تو شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی مفتوح ہو جاتے ہیں۔

ایک لڑکا یہاں میڈیکل تعلیم کے لئے آیا میرے ساتھ اس کو بڑی محبت تھی خواجہ صاحب کی ایک تصویر اس نے دیکھی۔ جس میں ان کی ڈاڑھی چھوٹی تھی۔ اس کو بہت ہی ناگوار گذرا اور کہا کہ میں وہاں جا کر دکھا دوں گا۔ میں نے اس کو منع کیا کہ ایسے دعویٰ نہ کرو۔ لیکن جب وہ آیا تو اس نے پورٹ سعید ہی میں اپنی ڈاڑھی منڈوا لی۔ جب قومی حالت یہ ہو کہ تم دوسروں کے ایسے غلام بن جاؤ جیسے ایک کتا میم کے پیچھے چلتا ہے۔ تو پھر تم نے دنیا کو کیا فتح کرنا ہے۔ میں اپنے نفس میں سمجھتا ہوں کہ جو لوگ دوسروں کے اتنے غلام ہیں۔ ان کا آزادی کا دعویٰ ایک خیالی دعویٰ ہے۔ مگر میں اپنی ذات پر اس قدر اعتماد رکھتا ہوں۔ اور میرے دل میں ہے کہ اگر آدھا ہندوستان بھی اپنے قومی کریکٹر کو مضبوطی سے پکڑے تو ایک دن میں آزاد ہو سکتے ہیں۔

ایک نے مجھ سے سوال کیا کہ گاندھی ناکام ہوا۔ میں نے کہا کہ مجھے تین لاکھ آدمی دو میں خون کا ایک قطرہ بھی گرانے کے بغیر ہندوستان کو آزاد کرا دیتا ہوں۔ اور میں عدم تعاون نہیں کراؤں گا۔ بلکہ تعاون کراؤں گا۔ اگر پچاس ہزار ایسے آدمی ہوں۔ جو ملک کے لئے نوکریاں کریں۔ اور ان کا مقصد یہ ہو کہ ہم نے ملک کی خدمت کرنی ہے۔ تب وہ جھوٹی رپورٹیں نہ کریں گے۔ اور ان کی صحیح رپورٹوں کا ایسا اثر ہو گا کہ حکومت کا معاملہ ہمارے ساتھ سیدھا ہو گا۔ اور حکومت ہماری ہو جائے

گی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ انگریز ہم پر ہمارے اپنے لوگوں سے حکومت کرتے ہیں۔ تحصیلدار اور پولیس والے ہمارے ہی بھائی ہیں۔ وہ روپیہ کے لئے نوکری کرتے ہیں۔ جب ملک کی خدمت کے جذبہ سے نوکری کریں گے۔ تو حکومت غلط راستہ پر نہیں جائے گی۔ ایسے لوگ جو ملک کی خدمت کے لئے نوکری اور تعاون کریں گے۔ اگر ایک دو ان میں سے نکالے بھی جائیں تو سب کو نہیں نکالا جا سکتا۔

غرض آزادی دنیا میں دماغی آزادی ہے۔ اگر دماغی آزادی نہیں تو پھر بدترین غلامی ہے ہم عقل سے انصاف اور دیانت سے تعاون کرتے ہیں۔ اور بہترین چیز کو لینا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ مگر ہماری جماعت کے لئے یہ شرم کی بات ہو گی۔ کہ ہم محض اس خیال سے کہ دوسرے ہمارے لباس پر ہنستے ہیں۔ اپنا قومی لباس چھوڑ دیں۔ ان چھوٹی باتوں سے جن کی بظاہر عقلی حقیقت کچھ نہ ہو۔ بڑے بڑے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ ایک شخص جب چہرہ اور سر کو دیکھے گا کہ اس پر اسلامی نشان نہیں۔ تو وہ اسی نتیجہ میں حق پر ہو گا۔ کہ اس کو اسلام سے تعلق نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص صدق دل سے سمجھتا ہے۔ کہ میرا مذہب سچا ہے۔ تو وہ اپنے عمل میں بھی ثابت کرے گا۔ خواہ وہ عمل کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہوں۔

ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ ڈاڑھی رکھنے میں کیا فائدہ ہے۔ یا ہیٹ پہننے میں کیا حرج ہے؟ میں اس کے فوائد بھی بتا سکتا ہوں۔ مگر میں کہتا ہوں۔ کہ سوال دوسری طرح اس پر بھی تو ہوتا ہے۔ کہ نہ رکھنے میں کیا فائدہ ہے اور ٹوپی نہ پہننے میں کیا نقصان ہے۔ان باتوں کو صحیح نقطہ نگاہ سے دیکھو اور وہ ہمارا قومی کریکٹر ہے۔ پس قومی کریکٹر کو قائم رکھو تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ کتے کی طرح پیچھے چلتے ہو۔

اس کو خوب یاد رکھو کہ نقل علم میں ہوتی ہے کریکٹر میں نہیں ہوتی۔ اور وہ نقل جو علم میں ہوتی ہے۔ غلامی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا نام اڈاپٹیشن ہوتا ہے اور یہ ایڈاپٹیشن تدریجی ہوتا ہے۔ غلامی کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ واقعات کے باریک اثر کے ماتحت ہوتا ہے۔ اسلام تم کو ہر قسم کی غلامی اور بدترین غلامی جو دماغی غلامی ہوتی ہے۔ اس سے نجات دیتا ہے۔ اگر تم اپنے قومی کریکٹر کو مضبوط رکھو تو تم دنیا کو نہ صرف فتح کر سکتے ہو۔ بلکہ اوروں کو اس غلامی سے نجات دلا سکتے ہو۔ میں نہایت افسوس اور تکلیف سے کہتا ہوں۔ کہ یہاں آنے والوں نے مبلغ سے لے کر نیچے تک یہ غلطی کی ہے کہ عورتوں سے مصافحہ کرتے رہے ہیں۔ حالانکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصافحہ نہیں

کیا۔ ؎۴ پھر کیا تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ہو۔ میں جب اس کا خیال کرتا ہوں۔ تو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ سوال لا کا ہے آیا یہ جائز ہے۔ یا نہیں۔ میں جانتا ہوں۔ ایسے لوگ ہو سکتے ہیں۔ جو مبادی کے انتہائی نقطہ تک پہنچ جائیں۔ اور ان پر اثر نہ ہو۔ بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ ایسے لوگ ہو سکتے ہیں۔ جو اس سے بھی آگے ہوں کہ وہ ایک جگہ لیٹے ہوئے ہوں اور پھر بھی پاک ہوں۔ بلکہ اس سے آگے جا کر بھی ان کے قلب متاثر نہ ہوں۔ یہ ممکن ہے لیکن ان کی مثال دوسروں کے لئے نہیں ہو سکتی۔ ہم قانون کو دیکھیں گے کہ وہ کیا حکم دیتا ہے۔

شریعت کمزوروں کا خیال رکھتی ہے۔ اور وہ عام قانون دیتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ممکن تھا دست بکار و دل بہ یار کے ماتحت نماز روزہ ترک کر دیا جاتا اور ایسے لوگ ہو سکتے تھے کہ فی الحقیقت دنیا کی کوئی مصروفیت ان کو اپنے مولیٰ سے الگ نہ کر سکتی مگر یہ نماز روزہ اور ظاہری احکام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ساقط نہیں ہوئے۔ اس لئے کہ ایک قانون عمومی تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی فضیلت نمازوں سے نہیں ؎۵ اور ہم نے تو یہ تجربہ کیا ہے کہ بعض وقت ایک مرتبہ کی تسبیح ۱۵ سال کی عبادت سے بڑھ جاتی ہے مگر ایسی تسبیح والے کو بھی نماز چھوڑنے کی اجازت نہ ہو گی۔ ورنہ دوسرے بھی چھوڑ دیں گے پس یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ یہ احکام بظاہر چھوٹے ہوں۔ مگر ان کے اثرات بہت بڑے ہوتے ہیں۔ مصافحہ کیا چیز ہے؟ میں نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے اس سے بھی بڑھ کر مبادی ہوں۔ مگر قلبی اثر نہ ہو۔ جس کے روکنے کا حکم دیا ہے۔ مگر مصافحہ سے کیوں منع کیا؟ اس لئے کہ دوسروں کے لئے ٹھوکر کا موجب نہ ہو۔ اعمال صرف کولے ہوتے ہیں۔ حقیقت ان کے اندر نہیں ہوتی۔ یہ خود روحانی پاکیزگی نہیں۔ مگر اس کا اثر روحانی پاکیزگی پر ہوتا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ بعض ارواح ان حالات سے متاثر نہیں ہوتی ہیں۔ مگر یہ قانون نہیں ہو سکتا اور اس لئے باوجود متاثر نہ ہونے کے بھی قانون کی پابندی سے مستثنیٰ نہیں کی جا سکتیں کوئی کہہ سکتا ہے کہ نیک آدمی مصافحہ کر کے بھی نیک رہ سکتے ہیں۔ اور ان کی روحانی حالت پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا۔ میں نے تو اس سے بھی بڑھ کر کہا ہے کہ اگر ہر شخص ایسا نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ایسے لوگوں کا بھی قانون شریعت نے کوئی استثنا کیا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کے دوسرے احکام میں مثلاً جس ذبح پر خدا کا نام نہ لیا جائے۔ وہ کھانا نہیں چاہیئے۔ مگر لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ اس معاملہ میں مبلغوں نے اور دوسروں نے بھی غلطی کھائی ہے۔ ایسی باتوں سے دین کی تحقیر ہو جاتی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کر دیں کہ قومی طور پر ہم ایک چٹان ہیں

کوئی چیز ہم کو جنبش نہیں دے سکتی۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ انفرادی طور پر اجازت دے رہا ہوں۔ ہر گز نہیں قوم افراد کا مجموعہ ہوتی ہے اور افراد کے افعال و اعمال آخر قومی اعمال بن جاتے ہیں۔ دنیا میں دو قسم کی چیزیں ہیں۔ ایک ڈیپ (عمیق) جاتی ہیں۔ افراد کے گناہ اس قسم میں داخل ہیں۔ ان کا اثر گہرا ہوتا ہے چوری یا ڈاکہ کچھ شک نہیں۔ افراد سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر وہ اتنے گہرے جاتے ہیں کہ بالآخر قوم کو تباہ کر دیتے ہیں۔ مگر قومی گناہ پھیلاؤ میں زیادہ ہوتے ہیں۔ ان کا اثر دل پر کم پڑتا ہے۔ مگر وہ دریا کے پاٹ کی طرح پھیل جاتے ہیں۔ پھر اس نتیجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ (جس کے ذریعے سے کوئی گمراہ ہو اس پر بھی اس کا اثر ہوتا) ۔۱۶اثر بڑھ جاتا ہے۔

جب تک ہمارے طالب اپنے لباس اپنے چہرہ اور اپنے کھانے پینے کی احتیاط سے ثابت نہ کر دیں کہ وہ احمدی ہیں۔ اور یہ ان کا قومی کریکٹر ہے۔ اس وقت تک کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ دیکھو ہندوستان میں ہر جگہ احمدی کو شناخت کر لیتے ہیں۔ تعلیم یافتہ لوگ اپنے طبقہ کے احمدیوں کو ڈاڑھیاں رکھنے اور نمازوں کی پابندی سے پہچان لیتے ہیں۔ دوسرے لوگ بھی احمدیوں کے چال چلن اور طرز عمل سے ان کو جھٹ پہچان لیتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہاں بھی یہی بات ہو۔ ابھی تک یہاں یہ بات نہیں کہ احمدی ہندوستانیوں یا دوسروں سے ممتاز ہوں۔ جب ایسا ہو گا۔ خود بخود لوگوں کو نہ صرف توجہ ہو گی۔ بلکہ وہ عزت کریں گے۔ جب وہ ان کو دیکھیں گے کہ اپنے قومی کریکٹر میں مضبوط ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ اس لباس میں ہم پر ہنستے ہیں میں تو کہتا ہوں کہ اگر اینٹ پتھر بھی ماریں تب بھی ان کو اس پر قائم رہنا چاہیئے۔ جب وہ اس پر قائم رہیں گے تو لوگ خود تسلیم کر لیں گے کہ یہ غلام نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا کو فتح کر سکتے ہیں۔

میں نے ان حالات کو دیکھ کر یہ ارادہ کیا ہے کہ ایک سال تک پراپیگیشن کروں۔ اور ایک سال کے بعد اگر کسی کو دیکھوں کہ وہ عمل نہیں کرتا۔ تو اس کے متعلق اعلان کر دوں کہ وہ ہماری جماعت سے تعلق نہیں رکھتا۔

میں نے کہا ہے کہ حضرت صاحب نے بھی ایسا ارادہ کیا تھا۔ جبکہ ایک شخص جس کی ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی۔ آپ کی بیعت میں داخل ہوا اور کسی کے سوال کرنے پر آپ نے فرمایا تھا کہ میری ڈاڑھی دیکھ کر رکھ لے گا۔ غرض میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ ایک سال تک پراپیگیشن کروں۔ چونکہ بعض شائد کمزور ہوں۔ اور عملی قدم اٹھانے کے لئے ابھی تیار نہ ہوں۔ میں نے ایک سال کا

موقعہ دیا ہے۔ میں یہاں والوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ آنے والوں کے لئے ٹھوکر کا موجب نہ بنیں۔ بلکہ میں نے دیکھا ہے کہ یہاں سے جانے والے آنے والوں کو کہتے ہیں کہ اس کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا۔ میں درخواست کے طور پر کہتا ہوں کہ تم اپنے عمل سے نمونہ دکھاؤ کہ تم ڈرتے نہیں۔ تم میں ہمت اور جرأت ہے۔ ہنسی کیا مار کی بھی تم پرواہ نہیں کرتے اور پھر اس حالت میں تم لوگوں کو لیڈ کر سکتے ہو۔ پس ہمت بلند کرو اور اپنے نمونہ سے امتیاز قائم کرو اور آنے والوں کے لئے نمونہ بنو نہ کہ ٹھوکر کا موجب۔ اب تک یہ حالت ہے کہ ایک احمدی اگر مضبوط بھی ہو تو تم کو دیکھ کر کمزور ہو جائے گا۔ حضرت خلیفہ اولؓ کے صاحبزادہ میاں عبدالسلام کو ایک شخص نے کہا کہ میں وہاں جا کر نمونہ دکھاؤں گا مگر اس نے بھی آکر ڈاڑھی مونچھ منڈوا ڈالیں۔ اس کا گناہ ان پر ہے جو پہلے رہتے تھے۔ میں نے خوب سوچا ہے۔ یہ ایک شبہ اور وہم ہے جو لوگوں کے دلوں میں بیٹھا ہوا ہے کہ اس کے بغیر گذارہ نہیں چل سکتا۔ یہ بزدلی اور کمزوری ہے۔ اس کو دور کرو اور دماغی غلامی کو چھوڑ کر حقیقی معنوں میں آزاد ہو کر اپنے عمل سے قومی وقار کو قائم کرو۔ اسے ہمیشہ یاد رکھو کہ چھوٹی چیزیں بڑے بڑے نتائج پیدا کر دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو سمجھ اور توفیق عنایت کرے۔ آمین۔

(الفضل ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۴ء)

۱۔ الاحزاب: ۲۲

۲۔ بخاری کتاب اللباس باب تقلیم الاظفار و ابو داؤد کتاب الترجل باب فی اخذ الشارب

۳۔ ترمذی و ابن ماجہ بروایت مشکوۃ کتاب العلم باب فی فضیلتہٖ

۴۔ مسلم کتاب امارۃ باب کیفیتہ بیعتہ النساء

۵۔ نزھتہ المجالس مصنفہ شیخ عبدالرحمٰن الصفوری جلد ۲ ص ۵۳

۶۔ مسلم کتاب الزکاۃ باب الحث علی صدقتہ ولو بشق تمرۃ او کلمتہ طیبۃ